اقوام عالم کو ایک مرکزِ توحید پر

جمع کر کے

بین الاقوامی وحدت

قائم کرنے کا

وعدہ الٰہی

خطبہ جمعہ، فرمودہ ۱۹ امئی ۱۹۶۷ئہ

بمقام مسجد مبارک ربوہ

"جس طرح ابتدا میں خانہ کعبہ انسانیت کا مرکز تھا، آخری اور اکمل دور میں بھی خدا کا یہ گھر وحدت انسانی کا مرکز بننا مقصود تھا اور انبیاء کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے بیت اللہ کو منتخب کیا گیا، تا وحدت انسانی کا نبی اور وحدت انسانی کا قبلہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جائیں۔"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تشہد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے آیہ وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَیۡتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا ؕ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰہٖمَ مُصَلًّی ؕ (سورۃ البقرۃ : ۱۲۶) تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا:-

ان تیئیس۲۳ مقاصد میں سے، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ان آیات میں کیا ہے جن کا ایک ٹکڑا اس وقت بھی میں نے تلاوت کیا ہے، سات کے متعلق مَیں اس سے قبل اپنے خطبات میں بیان کر چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ وہ مقاصد نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے کس طرح حاصل ہوئے۔

آٹھواں مقصد جس کا ذکر یہاں ہے مَثَابَۃً کے لفظ میں بیان ہُوا ہے مَیں نے بتایا تھا کہ خانۂ کعبہ کی تعمیرِ نو کی یہ آٹھویں غرض ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں ایک ایسا رسول مبعوث ہوگا جو تمام اقوام عالم کو اُمَّۃً وَّاحِدَۃً بنا دے گا اور ایک ایسی شریعت نازل ہوگی جس کے ذریعہ سے تمام منتشر اور پراگندہ اقوام کو ایک مرکزِ توحید اور مرکزِ پاکیزگی پر لا جمع کیا جائے گا۔ یہ مقصد بھی نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے ہی حاصل ہُوا۔

مَثَابَۃً کے لغوی معنی ایک تو یہ ہیں: مُجۡتَمَعُ النَّاسِ بَعۡدَ تَفَرُّقِہِمۡ (القاموس المحیط) انتشار اور تفرقہ کے پیدا ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ جس جگہ لوگ اکٹھے ہوں اُسے مَثَابَۃٌ کہتے ہیں۔

اور ایک دوسرے معنی اس کے یہ ہیں مَکَانًا یُکۡتَبُ فِیۡہِ الثَّوَابُ وہ جگہ جہاں لوگوں کے لیے ثواب اور بدلہ اور جزا کے احکام جاری ہوتے اور لکھے جاتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم اس بیت اللہ کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایک ایسا مرکزی نقطہ

بنائے والے ہیں کہ جہاں دنیا کی تمام منتشر اور پراگندہ اقوام پھر سے جمع ہونگی اور ان کے لیے کوئی اور جگہ باقی نہ رہے گی جہاں سے انھیں اپنے رب کے ثواب کے حصول کی اُمید اور توقع ہو۔

جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اس غرض کو پُورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور اسلامی شریعت کو نازل کیا اور جس طرح ابتدا میں خانہ کعبہ انسانیت کا مرکز تھا کیونکہ حضرت آدم علیہ السّلام کے وقت ایک ہی نبی تھا اور ایک ہی قوم تھی اور ایک ہی شریعت تھی، ابھی انسان دنیا میں نہیں پھیلا تھا اور قوم قوم میں تقسیم نہیں ہُوا تھا، تو ابتدا میں خانہ کعبہ ہی انسانیت کا مرکز تھا روحانی طور پر۔ اس کے بعد آدم علیہ السّلام کی نسل دنیا میں پھیلنی شروع ہُوئی اور دُور دراز کے علاقوں میں آباد ہو گئی۔ آپس کے تعلقات قائم نہ رہے۔ ان کی روحانی ترقی اور نشوونما کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں علیحدہ علیحدہ نبی اور رسول بھیجنے شروع کیے اور اس طرح روحانی طور پر وہ ایک قوم نہ رہے بلکہ منتشر ہو گئے اور تفرقہ پڑ گیا اور نسلِ آدم قوم قوم میں بٹ گئی۔

تو جس طرح ابتدا میں خانہ کعبہ انسانیت کا مرکز تھا، آخری اور اکمل دَور میں بھی خدا کا یہ گھر وحدت انسانی کا مرکز بننا منقصود تھا اور انبیاء کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے بیت اللہ کو منتخب کیا گیا تا وحدت انسانی کا نبی اور وحدت انسانی کا قبلہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے مَیں اس وقت حضور کے دو اقتباسات جو اس مضمون سے تعلق رکھتے ہیں اپنے دوستوں کو سُناتا ہوں۔ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

> "ابتدائے زمانہ میں انسان تھوڑے تھے اور اُس تعداد سے بھی کم تر تھے جو اُن کو ایک قوم کہا جائے، اس لیے ان کے لیے صرف ایک کتاب کافی تھی۔ پھر بعد اس کے جب دنیا میں انسان پھیل گئے اور ہر ایک حصّہ زمین کے باشندوں کا ایک قوم بن گئی اور بباعث دُور دراز مسافتوں کے ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے بالکل بے خبر ہو گئی ایسے زمانوں میں خدا تعالےٰ کی حکمت اور مصلحت نے تقاضا فرمایا کہ ہر ایک

قوم کے لیے جدا جدا رسول اور الہامی کتابیں دی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور پھر جب
نوع انسان نے دنیا کی آبادی میں ترقی کی اور ملاقات کے لیے راہ کھل گئی اور ایک ملک
کے لوگوں کو دُوسرے ملک کے لوگوں کے ساتھ ملاقات کرنے کے لیے سامان مُیسّر آگئے
اور اس بات کا علم ہوگیا کہ فُلاں فُلاں حِصّۂ زمین پر نوع انسان رہتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ
کا ارادہ ہُوا کہ ان سب کو پھر دوبارہ ایک قوم کی طرح بنا دیا جائے اور بعد تفرقہ کے
پھر ان کو جمع کیا جاوے۔ تب خدا نے تمام ملکوں کے لیے ایک کتاب بھیجی اور اس
کتاب میں حکم فرمایا کہ جس جس زمانہ میں یہ کتاب مختلف ممالک میں پہونچے ان کا فرض
ہوگا کہ اس کو قبول کر لیں اور اُس پر ایمان لاویں اور وہ کتاب قرآن شریف ہے جو
تمام ملکوں کا باہمی رشتہ قائم کرنے کے لیے آئی ہے۔ قرآن سے پہلے سب کتابیں
مختصّ القوم کہلاتی تھیں یعنی صرف ایک قوم کے لیے ہی آتی تھیں..... مگر سب کے
بعد قرآن شریف آیا جو ایک **عالمگیر کتاب** ہے اور کسی خاص قوم کے لیے نہیں
بلکہ تمام قوموں کے لیے ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف ایک ایسی **اُمّت** کے
لیے آیا جو آہستہ آہستہ ایک ہی قوم بننا چاہتی تھی۔ سو اب زمانہ کے لیے ایسے سامان
مُیسّر آگئے ہیں جو مختلف قوموں کو **وحدت** کا رنگ بخشتے جاتے ہیں۔ باہمی ملاقات
جو اصل جڑ ایک قوم بننے کی ہے ایسی سہل ہو گئی ہے کہ برسوں کی راہ چند دنوں میں
طے ہو سکتی ہے اور پیغام رسانی کے لیے وہ سبیلیں پیدا ہو گئی ہیں کہ جو ایک برس میں بھی کسی
دُور دراز ملک کی خبر نہیں آسکتی تھی۔ وہ اب ایک ساعت میں آسکتی ہے۔ زمانہ میں
ایک ایسا انقلاب عظیم پیدا ہو رہا ہے اور تمدّنی دریا کی دھار نے ایک ایسی طرف
رُخ کر لیا ہے جس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ اب خدا تعالیٰ کا یہی ارادہ ہے کہ

تمام قوموں کو جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں ایک قوم بنا دے اور ہزار ہا برسوں کے بچھڑے ہُوؤں کو پھر باہم ملا دے۔" (چشمۂ معرفت۔ صفحہ ۶۶-۶۹)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السّلام ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"چونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت کا زمانہ قیامت تک مُمتد ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اِس لیے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدت اقوامی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی، یعنی شبہ گزرتا تھا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہو گیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اُسی زمانہ میں انجام تک پہنچ گیا۔ اس لیے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں زمانہ محمدی کے آخری حصّہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس کی تکمیل کے لیے اسی اُمّت میں سے ایک نائب مقرر کیا، جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اسی کا نام خاتم الخلفاء ہے۔ پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں اور اس کے آخر میں مسیح موعود ہے اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو، جب تک کہ وہ پیدا نہ ہولے کیونکہ وحدت اقوامی کی خدمت اُسی نائب النبوّت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے اور اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے اور وہ یہ ہے هُوَ الَّذِىٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (سورۃ الصفّ۔ آیت ۱۰) یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ایک کامل ہدایت اور سچّے دین کے ساتھ بھیجا تا اس کو ہر ایک قسم کے دین پر غالب کر دے۔ یعنی ایک عالمگیر غلبہ اس کو عطا کرے اور چونکہ وہ عالمگیر غلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ

میں ظہور میں نہیں آیا اور ممکن نہیں کہ خدا کی پیشگوئی میں کچھ تخلّف ہو۔اس لیے اس آیت کی نسبت ان سب متقدّمین کا اتّفاق ہے جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے گا کیونکہ اس عالمگیر غلبہ کے لیے تین امر کا پایا جانا ضروری ہے جو کسی پہلے زمانہ میں وہ پائے نہیں گئے۔

(۱) اوّل یہ کہ پُورے اور کامل طور پر مختلف قوموں کے میں ملاقات کے لیے آسانی اور سہولت کی راہیں کھل جائیں اور سفر کی ناقابلِ برداشت مشقتیں دور ہو جائیں۔۔۔۔

(۲) دُوسرا امر جو اس بات کے سمجھنے کے لیے شرط ہے کہ ایک دین دوسرے تمام دینوں پر اپنی خوبیوں کے رو سے غالب ہے یہ ہے جو دنیا کی تمام قومیں آزادی سے باہم مباحثات کر سکیں اور ہر ایک قوم اپنے مذہب کی خوبیاں دوسری قوم کے سامنے پیش کر سکے اور نیز تالیفات کے ذریعہ سے اپنے مذہب کی خوبی اور دوسرے مذاہب کا نقص بیان کر سکیں اور مذہبی کُشتی کے لیے دنیا کی تمام قوموں کو یہ موقعہ مل سکے کہ وہ ایک ہی میدان میں اکٹھے ہو کر ایک دوسرے پر مذہبی بحث کے حملے کریں۔۔۔۔۔اور یہ مذہبی کشتی نہ ایک دو قوم میں بلکہ عالمگیر کشتی ہو۔۔۔۔۔۔

(۳) تیسرا امر جو اس بات کو تمام دنیا پر واضح کرنے کے لیے شرط ہے کہ فلاں دین بمقابل دنیا کے تمام دینوں کے خاص طور پر خدا سے تائید یافتہ ہے۔۔۔۔۔۔۔وہ یہ ہے کہ بمقابل دنیا کی تمام قوموں کے ایسے طور سے تائید الٰہی کے آسمانی نشان اس کے شامل ہوں کہ دوسرے کسی دین کے شامل حال نہ ہوں۔۔۔۔۔ اور دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک کوئی مذہب نشانِ آسمانی میں اس کا مقابلہ نہ کر سکے باوجود اس بات کے کہ کوئی حصّہ آبادی دنیا کا اس دعوتِ مقابلہ سے بے خبر نہ ہو۔"

(چشمۂ معرفت صفحہ ۸۲ تا ۸۶)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اب دنیا میں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ تمام دنیا کے مذاہب کی دین اور روحانیت کے میدان میں کُشتی ممکن ہو گئی ہے۔ تمام اقوام اپنے نمایندوں کو ایک جگہ جمع کر کے دوسرے مذاہب سے مقابلہ کر سکتے ہیں اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے دین کے میدان میں سب دنیا کے مذاہب کو پکارا، یہ مقابلہ آپ کے زمانہ میں شروع ہو گیا۔ گذشتہ جلسہ سالانہ کے موقع پر مختلف دعوت ہائے فیصلہ میں نے بھی دنیا کے سامنے رکھی تھیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی سفر یورپ کی، تو میں ارادہ رکھتا ہوں کہ وہاں کے ملکوں میں جو عیسائی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان دعوت ہائے فیصلہ کو دہراؤں اور امن اور صلح کی فضا میں اسلام کے مقابلہ میں انھیں دعوت دوں کہ اپنی حقانیت کو اگر وہ اپنے مذاہب کو حق سمجھتے ہیں ثابت کریں اور میں اپنے ربّ سے اُمّید رکھتا ہوں کہ اگر وہ میدانِ فیصلہ میں آئے تو اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ دنیا کے سامنے انہیں اپنی شکست کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

تو آٹھواں مقصد ساری دنیا کی اقوام کو وحدت کے سلسلہ میں منسلک کرنا ہے اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کام کے پُورا کرنے کا وعدہ دیا ہے اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ اس مقصد کے حصول کا تعلق جماعت احمدیّہ سے ہے اور اس کے نتیجہ میں جماعتِ احمدیّہ پر بڑی ہی ذمّہ داریاں عاید ہوتی ہیں جن کی طرف مجھے اور آپ سب کو توجہ دینی چاہیئے۔

تو آٹھواں مقصد ھِنٰا بَنّیُں بیان ہُوا ہے اور ظاہر ہے یہ مقصد سوائے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہُوا اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ کسی اور نبی کو ایسی شریعت نہیں دی گئی جو مختص القوم نہ ہو جس کا تعلق صرف اس کی قوم اور اس کے زمانہ کے ساتھ نہ ہو۔ صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات ہے جن کو ایک ایسی شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی جو انسان کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے اور جس کا تعلق دنیا کی ہر قوم اور قیامت تک کے ہر زمانہ کے ساتھ ہے اور وہ وعدے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے وہ اپنے وقت پر پُورے ہوتے رہے ہیں۔ یہ وعدہ جو ہے اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ اس کے پورا ہونے کا وقت مسیح موعود کا زمانہ ہے اور اس کے پُورا کرنے کی ذمہ داری جماعت احمدیہ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

نواں مقصد جس کا ان آیات میں ذکر ہے وہ اَمْناً کے لفظ میں بیان ہوا ہے۔ مَثَابَۃً میں بین الاقوامی تعلقات کے مضبوط بنیادوں پر مستحکم ہونے کا ذکر تھا اور بین الاقوامی رشتۂ اُخوّت کے استحکام کے لیے یہ ضروری ہے کہ بین الاقوامی امن کے قیام اور قوموں کے باہمی تعلّقات میں تسکینِ قلب کے سامان پیدا کیے جائیں اور ذرائع مہیّا کیے جائیں۔ وعدہ یہ دیا گیا تھا کہ مَثَابَۃً کا وعدہ بھی پورا ہوگا اور اس کے لیے جو ضروری چیز ہے کہ بین الاقوامی امن کا ماحول پیدا کیا جائے۔ وہ وعدہ بھی پورا ہوگا اور محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ دنیا کو جو شریعت دی جائے گی اس میں بین الاقوامی امن کے قیام کی تعلیم دی جائے گی اور وعدہ دیا گیا تھا کہ حقیقی امن دنیا کو صرف اس تعلیم پر عمل کرنے سے مل سکتا ہے، جو تعلیم کہ مکّہ سے مبعوث ہونے والا خاتم النّبیّین دنیا کے سامنے پیش کرے گا کیونکہ اس آخری شریعت میں تمام فطری قوتوں اور استعدادوں کی صحیح نشو ونما کے سامان رکھے جائیں گے اور انسانی عقل اُن ہدایات سے تسلّی پائے گی اور اس انسان کا دل اطمینان حاصل کرے گا۔

امن عالم کے قیام کے متعلق جو تعلیم قرآن کریم میں پائی جاتی ہے وہ بڑی مفصّل ہے اور اس وقت میں اُس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ اس کے متعلق حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" اور "نظام نو" میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ ان کتب میں حضرت مُصلح موعود رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا ہے کہ پانچ بنیادی باتیں امن عالم کے قیام کے لیے قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں، جب تک ان اصولوں پر دنیا عمل نہیں کرے گی دنیا کی کوئی بین الاقوامی تنظیم کامیاب نہیں ہوگی۔ پہلے لیگ آف نیشنز ناکام ہوئی۔ پھر اب جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں یو، این، او ناکامی کی طرف جارہی ہے اور اس کی بڑی وجہ یا یوں کہنا چاہیئے کہ ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے بین الاقوامی امن کے قیام کے لیے دنیا کو جو تعلیم دی تھی یہ لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور اس کو نہیں اپنایا۔ ان اصولوں کو ٹھکرانے کے نتیجہ میں وہ ناکامیوں کا منہ دیکھتے چلے جارہے ہیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ اس بات کا ذکر کیا ہے کہ صرف قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصول پر ایک بین الاقوامی معاہدہ کی بجائے ایک ہی وقت میں دنیا دو قسم کے معاہدے کر لیتی ہے۔ ایک تو تعلّق رکھتے ہیں تمام اقوام کے ساتھ۔ اور ایک وہ معاہدے ہوتے ہیں جو بڑی بڑی قومیں آپس میں کر لیتی ہیں اور چونکہ دو کشتیوں میں اُن کا پاؤں ہوتا ہے اس لیے وہ ناکام ہو جاتے ہیں۔ خود یو، این، او میں جو معاہدہ ہوا اس کے اندر ہی ایک اور معاہدہ مدغم

کردیا گیا۔ بجائے اس کے کہ یہ خالص بین الاقوامی معاہدہ ہوتا اُنھوں نے اس کے اندر ویٹو کو اپنا لیا۔ یعنی بعض قوموں کو یو، این، او نے یہ فضیلت عطا کی ان کی رائے کے بغیر بعض معاملات طے نہیں ہوسکیں گے، حالانکہ جس طرح وہ قانون جو افراد پر لاگو ہوتا ہے اس میں امیر اور غریب، طاقتور اور کمزور میں فرق نہیں کیا جا سکتا نہ کیا جانا چاہیئے اگر قانونی حکومت کو ملک میں رائج کرنا ہو۔ اسی طرح یہ ضروری ہے کہ بین الاقوامی معاہدات میں کسی قوم کو کسی دوسری قوم پر ترجیح نہ دی جائے، اگر ترجیح دی جائے گی تو وہ بین الاقوامی قانون لازماً ناکام ہو جائے گا۔

قرآن کریم نے یہ تعلیم دی تھی کہ کسی قوم کو کسی قوم پر ترجیح نہ دینا۔ انھوں نے سمجھا کہ ہم بڑے طاقتور ہیں، اپنے زور سے جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ ویٹو کے حقوق بعض قوموں کو دیدیئے یا بعض قوموں نے اپنے لیے یہ حقوق لے لیے۔ اور بڑی وجہ اس وقت یُو، این، او کی ناکامی کی یہی ہے کہ اُنھوں نے معاہدہ کرتے وقت صرف ایک قسم کا معاہدہ نہیں کیا جو صرف بین الاقوامی حیثیت کا ہوتا بلکہ اس کے اندر انفرادی معاہدے بھی شامل کر دیئے گئے جو صرف بعض اقوام سے تعلّق رکھتے تھے۔ دنیا کی سب اقوام سے ان کو تعلق نہیں تھا۔

قرآن کریم نے دوسری ہدایت یہ دی تھی (بین الاقوامی امن کے قیام کے متعلق) کہ جس وقت جھگڑا ہو اسی وقت فیصلہ کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیئے، لیکن آج دنیا کا دستور اپنے ذاتی مفاد کے پیشِ نظر یہ بن گیا ہے کہ وہ جھگڑے کو لمبا ہونے دیتے ہیں لمبا کرتے چلے جاتے ہیں تاکہ بعض ذاتی مفاد کو حاصل کر سکیں۔ اس طرح دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔ پھر تیسری ہدایت یہ تھی، کہ بین الاقوامی معاہدہ میں علاقائی تعصّب مُضر ہے، بلکہ مُہلک ہے، لیکن بین الاقوامی معاہدہ جو یُو، این، او کی شکل میں دنیا کے سامنے آیا اس کے باوجود اُن قوموں نے جو اس کی ممبر بنیں، بلکہ بازو بنیں علیحدہ علیحدہ معاہدے کرنے شروع کر دیئے اور جن قوموں سے اُن کے ذاتی تعلقات تھے اُن کے حق میں تعصّب اور جنبہ داری کے طریق کو اختیار کرنا شروع کر دیا۔

پس قرآن کریم نے کہا ہے کہ بین الاقوامی امن صرف اس صورت میں قائم کیا جا سکتا ہے جب قوم قوم کے درمیان جنبہ داری کے سلوک کو اختیار نہ کیا جائے اور کوئی ایک قوم دوسری قوم کی ناجائز حمایت کرنے پر نہ تُلے۔

چوتھی چیز جس کے خلاف ہے قرآن، مگر جس کے حق میں ہوگئی ہے یہ ظالم دنیا۔ وہ یہ ہے کہ جب جھگڑا ہو جائے تو باہمی

صلح کروانے کی بجائے بعض قوموں کو تعصّب کی بناء پر سزا دینے کی تجویز کرتے ہیں اور جب اور جہاں بھی موقع ملتا ہے قوموں کے حصّے بخرے کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ جرمنی کے دو حصّے کر دیئے گئے۔ کوریا اور ویٹ نام کا بھی یہی حال ہے۔ یو۔ این۔ او کی موجودگی میں اور یُو، این، او کے تمام دعاوی کے ہوتے ہوئے کہ وہ امن عالم کو قائم کرنے والی تنظیم ہے۔

قرآن کریم کہتا ہے میرے سایہ تلے چلو گے تو امن کو دنیا میں قائم کر سکو گے۔ میرے سایہ سے باہر نکلو گے تو شیطانی دھوئیں کی تمازت تمہیں تنگ کرے گی اور چین نہیں لینے دے گی۔

اور پانچویں تعلیم قرآن کریم نے یہ دی تھی کہ اگر بین الاقوامی امن کو قائم کرنا ہو تو پھر اس کے لیے ہر قوم کو قربانی دینی پڑے گی لیکن اب یہ حال ہے کہ بعض قومیں قربانی دیتی ہیں اور بعض انکار کر دیتی ہیں۔ تو صرف قرآن کریم کی ہی ایسی تعلیم ہے جس پر عمل کر کے دنیا میں بین الاقوامی امن قائم کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنی کتاب "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" میں نتیجہ اس ساری بحث کا یہ نکالتے ہیں کہ:۔

"ان پانچوں نقائص کو دُور کر دیا جائے تو قرآن کریم کی بتائی ہوئی لیگ آف نیشنز بنتی ہے اور اصل میں ایسی ہی لیگ کوئی فائدہ بھی دے سکتی ہے، نہ وہ لیگ جو اپنی ہستی کے قیام کے لیے لوگوں کی مہربانی کی نگاہوں کی جستجو میں بیٹھی رہے۔"

(احمدیت یعنی حقیقی اسلام صفحہ ۲۳۰)

پھر آپ نے "نظام نَو" میں فرمایا:۔

"لیگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ وہی لیگ کامیاب ہو سکتی ہے جو قرآن شریف کی بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق ہو۔" (نظام نو صفحہ ۶۶)

جیسا کہ میں نے بتایا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک عندیہ کیا کہ تمام اقوام عالم کو ایک سلسلہ میں پرو دیا جائے گا۔ بین الاقوامی وحدت کو قائم کیا جائے گا۔

پھر یہ فرمایا کہ بین الاقوامی وحدت کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ بین الاقوامی امن کی ضمانت دی جائے اور دعویٰ

کیا کہ قرآن کریم کی شریعت بین الاقوامی امن کی ضمانت دیتی ہے۔ اس شریعت کے احکام پر عمل کرو تو تمام دنیا کی اقوام میں اگر جھگڑے پیدا ہو بھی جائیں تو یہ انصاف اور عدل کے اصول پر طے ہو جائیں گے اور امن کو کسی قسم کا دھکا نہیں لگے گا پس قرآن کریم نے بڑی تفصیل سے یہ تعلیم دی جس کے نتیجہ میں دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے چونکہ مَثَابَةً کے مقصد کے حصول کی ذمّہ داری جماعت احمدیہ پر ہے اس لیے اس کی ذمّہ داری بھی جماعت احمدیہ پر ہے کہ وہ دنیا میں کثرت کے ساتھ اس تعلیم کی اشاعت کرے جو قرآن کریم نے دنیا میں قوموں کے درمیان امن قائم کرنے کے لیے ہمیں دی ہے، کیونکہ اگر دنیا اندھیرے میں رہے تو قیامت کے روز کہہ سکتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں تو علم نہیں تھا، جن کو علم تھا اور جن کے کندھوں پر تُو نے یہ ذمّہ داری رکھی تھی کہ وہ ہمیں علم دیں اُنھوں نے ہم تک یہ علم نہیں پہنچایا اس لیے ہمیں بے قصور قرار دے اور جن کا قصور ہے ان پر اپنے غضب کا اظہار کر۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے غضب سے محفوظ رکھے۔

دسواں مقصد بیت اللہ کی تعمیر کا یہ بیان ہُوا تھا: اِتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّى جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ مکّہ کے ذریعہ، بیت اللہ کے ذریعہ اور اس میں مبعوث ہونے والے عظیم الشان نبی کے طفیل اقوامِ عالم مقامِ عبودیت کا عرفان حاصل کریں گی اور اس حقیقی عبادت کی بنیاد یہاں ڈالی جائے گی جو تذلّل اور فروتنی اور انکسار کے منبع سے پھوٹتی ہے اور اس طرح قوم قوم میں محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ظلّ پیدا ہوں گے اور زمین کے خطّہ خطّہ پر اشاعتِ اسلام کے لیے مراکز قائم کیے جائیں گے، جہاں عاجزانہ دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا اقرار کیا جائے گا اور اظہار کیا جائے گا اور اس عاجزی اور تذلّل کے نتیجہ میں جو محض خدا کی خوشنودی اور رضا کے حصُول کے لیے اختیار کیا جائے گا وہ اقوام آسمانی برکات حاصل کریں گی اور بخشش کی مستحق ٹھہریں گی۔

تو فرمایا تھا کہ یہاں مکّہ کے ذریعہ اس شریعت کے طفیل جو یہاں نازل ہوگی صلوٰۃ کو اپنے تمام معانی اور تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنے والی اُمّت پیدا ہو جائے گی جو مقامِ عبودیت پر مضبوطی سے قائم ہوگی۔

دراصل اس کا تعلّق بھی پہلے دو مقاصد سے ہے کیونکہ آٹھواں وعدہ یہ تھا کہ تمام اقوام کو ایک اُمّتِ مُسلمہ بنا دیا جائے گا ایک قوم بنا دیا جائے گا۔ یہ ہو نہیں سکتا جب تک امنِ عالم کا قیام نہ ہو۔ تو پہلے وعدہ دیا اور پھر اس وعدہ کو قرآن کریم کی

شریعت کے رنگ میں پورا کیا کہ وہ کامل تعلیم امن جو اقوام عالم کے درمیان امن کو قائم کرنے کے لیے تھی وہ انسان کو دی گئی اور اب دوسرے مقصد میں اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ اس تعلیم پر عمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُمّتِ محمدیہ یعنی موعودہ اُمّت تذلّل اور عاجزی کو اختیار کرنے والی نہ ہو۔ اس واسطے کہا اِتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ اس کے بغیر تم عالمگیر امن کو دنیا میں قائم نہیں کر سکتے تو یہاں وعدہ دیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک ایسی اُمّت پیدا کی جائے گی جو مقامِ عبودیت پر مضبوطی سے قائم ہو گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے کامل متّبعین جو اپنے مقامِ عبودیت کو پہچانتے ہیں اور مضبوطی سے اس پر قائم ہیں وہ ہیں جو:

"بشہود کبریائی حضرت باری تعالیٰ ہمیشہ تذلّل اور نیستی اور انکسار میں رہتے ہیں اور اپنی اصل حقیقت ذلّت اور مفلسی اور ناداری اور پُر تقصیری اور خطاواری سمجھتے ہیں اور ان تمام کمالات کو جو ان کو دیئے گئے ہیں اُس عارضی روشنی کی مانند سمجھتے ہیں، جو کسی وقت آفتاب کی طرف سے دیوار پر پڑتی ہے جس کو حقیقی طور پر دیوار سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہوتا اور لباس مستعار کی طرح معرضِ زوال میں ہوتی ہے پس وہ تمام خیر و خوبی خدا ہی میں محصور رکھتے ہیں اور تمام نیکیوں کا چشمہ اسی کی ذات کامل کو قرار دیتے ہیں اور صفاتِ الٰہیہ کے کامل شہود سے ان کے دل میں حق الیقین کے طور پر بھر جاتا ہے کہ ہم کچھ چیز نہیں ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے وجود اور ارادہ اور خواہش سے بکلی کھوئے جاتے ہیں اور عظمت الٰہی کا پُر جوش دریا اُن کے دلوں پر ایسا محیط ہو جاتا ہے کہ ہزار ہا طور کی نیستی اُن پر وارد ہو جاتی ہے اور شرکِ خفی کے ہر یک رگ و ریشہ سے بکلّی پاک اور منزّہ ہو جاتے ہیں۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۲۵۳ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے:۔

"نماز کے اجزا اپنے اندر ادب، خاکساری اور انکساری کا اظہار رکھتے ہیں۔ قیام میں نمازی دست بستہ کھڑا ہوتا ہے، جیسا کہ ایک غلام اپنے آقا اور بادشاہ کے سامنے طریقِ ادب سے کھڑا ہوتا ہے۔ رکوع میں انسان انکسار کے ساتھ جُھک جاتا ہے۔ سب سے بڑا انکسار سجدہ میں ہے، جو بہت ہی عاجزی کی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔

{مرآۃ الحقائق جلد سوم مجموعہ فتاویٰ احمدیہ مطبوعہ ۱۳۲۵ھ مرتبہ مولوی محمد فضل صاحب چنگوی صفحہ ۱۵}

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ ہم اپنے فضل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں ایک ایسی جماعت پیدا کرتے رہیں گے، جو انکسار اور تذلل اور فروتنی اور تواضع کے مقام کو مضبوطی سے پکڑے اور اس تذلل اور انکسار کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اُس امن کے قیام کے امکانات پیدا کرے گا جو ضمناً میں بیان ہوئے ہیں اور جس کی تعلیم قرآن کریم نے تفصیل سے ہمیں دی ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ حقیقی عبادت (۱) محبّت و ایثار اور (۲) تذلل و انکسار ہر دو کے خمیر سے پرورش پاتی ہے، لیکن کبھی محبت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور کبھی تذلل اور فروتنی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کا حُسن اور اس کا احسان جلوہ فگن ہوتا ہے تو انسان کا دل اپنے ربّ کی محبّت سے بھر جاتا ہے اور ایک عاشق زار کی طرح وہ اس کی ہر آواز پر لبّیک کہتا ہے۔ وہ اس کے گرد گھومتا ہے۔ وہ نیستی کا لبادہ پہن کر اسی میں کھو جاتا ہے اور اس کے اپنے وجود پر کلیّۃً ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور ایک نئی زندگی اس کے رب کی طرف سے اسے عطا ہوتی ہے۔ مگر دنیا اسے نہیں پہچانتی۔ اور وہ اس کی کچھ پروا بھی نہیں کرتا۔

لیکن جب خدا تعالےٰ کی عظمت اور جلال کا جلوہ اس پر ظاہر ہوتا ہے تو اس کا دل خوف و رجا اور اُمّید و بیم سے لبریز ہو جاتا ہے۔ عظمت الٰہی اور جلال الٰہی کے اس جلوہ کے بعد اس کی اپنی کوئی بزرگی اور عظمت باقی نہیں رہتی۔

وہ فروتنی کا جامہ پہن لیتا ہے۔ انکسار کو اپنا شعار بناتا ہے اور تذلّل کی گرد سے غبار آلود اور اغبر نظر آتا ہے۔ وہ عاجز راہوں کو اختیار کرتا ہے اور عاجزی کے ساتھ اور خوف زدہ دل کے ساتھ لرزاں اور ترساں اپنے ربّ کے حضور جھکتا ہے اور اس کی عظمت اور جلال کا اقرار کرتا ہے۔ اس کے جسم کا ہر ذرّہ اور اس کی رُوح کا ہر پہلو اپنے ربّ کے خوف سے کانپ رہا ہوتا ہے اور عظمت وجلال کا یہ جلوہ اُسے اس حق الیقین پر قائم کر دیتا ہے کہ اس عظمت کے مقابلہ میں سب مخلوق مُردہ اور لاشئے محض ہے۔ اور اُن سے کسی بھلائی کی اُمّید نہیں رکھی جاسکتی اور نہ وہ بذات خود اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ اگر امید وابستہ کی جاسکتی ہے تو صرف ذوالجلال والاکرام سے۔ تب خوف کے ساتھ ایک اُمّید و رجا بھی اس کے سینۂ صافی میں پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی سب امیدوں کو اپنے ربّ سے ہی وابستہ کر لیتا ہے اور صرف اُس پر توکّل رکھتا ہے اور حاجت براری کے لیے صرف اسی کے دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے۔ اس کا دل اِس یقین سے پُر ہوتا ہے کہ جو کچھ ملنا ہے صرف اِسی در سے ہی ملنا ہے۔ جوتی کا ایک تسمہ ہو یا دنیا جہان کی عزّتیں۔

جس شخص پر عظمت وجلال کا یہ جلوہ ظاہر ہو، وہ یہ نہیں کیا کرتا کہ کشوف و رویا کا ایک کشکول بنائے اور قبولیّتِ دُعا کے واقعات سے اسے سجا کر دَر دَر پھرے اور دنیا والوں سے دنیا کی عزّت اور احترام اور توصیف اور تحسین کی بھیک مانگے۔ اور دنیا کی نگاہوں میں اپنے لیے کسی احترام کا متلاشی ہو۔ ایک مُردہ سے اُسے کیا لینا ہے؟ اور ایک لاشہ نے اسے کیا دینا ہے؟ جس کی عظمت اور جلال کے خوف نے اور جس کی بے پایاں رحمت کی اُمّید نے جس دَر کا فقیر اسے بنا دیا وہ اسی در پر دھونی رمائے امید و بیم کے درمیان زندگی کے دن پورے کر دیتا ہے، تب اس کا رب اُس سے راضی ہوتا ہے اور محبّت سے اپنی گود میں اُسے بٹھا لیتا ہے اور دنیا اور آخرت کی جنّتیں اسے مل جاتی ہیں۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک ایسی ہی امّت کے معرضِ وجود میں آنے کی بشارت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی اور خدا کی قسم اس نے اپنے وعدہ کو پورا کر دکھایا۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

(منقول از روزنامہ الفضل۔ ربوہ
مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۶۷ء)